© rasailojaraid.com

کس لئے؟

از

(حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خالق عالم جو اپنے حیرت انگیز تخلیقی آثار کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑا ہوا ہے، اس کے متعلق یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے، کہ وہ ہمارے سامنے نہیں ہے، میں تو کہتا ہوں کہ آثار سے اگر قطع نظر کر لیا جائے تو دنیا کی شاید ہی کسی چیز کے متعلق یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے سامنے ہے حتیٰ کہ باہم انسانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم جو ملتے جلتے ہیں کہتے ہیں کہ آج میری ملاقات اپنے فلاں دوست سے ہوئی، اگر سوچا جائے تو دوست کی ذات جس سے ملاقات کی مسرت آپ کو حاصل ہوئی وہ کبھی آپ کے سامنے نہیں آتی، بلکہ اس کا جسمانی قالب اور بدن آپ کے سامنے ہوتا ہے، اور قالب و بدن بھی صحیح معنوں میں آپ کی دید کے دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتا کون نہیں جانتا کہ بینائی کی قوت صرف روشنی، اور رنگوں ہی کی حد تک ایک ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہوا اسی لئے تو نظر نہیں آتی کہ کسی رنگ سے رنگین نہیں ہے، بس آپ کا دوست، دوست کا بدن اور جسمانی ڈھانچا بھی آپ کے سامنے نہیں آتا، بلکہ جو رنگ آپ کے دوست کے چہرے پر چڑھا ہوا ہے واقع میں آپ صرف اس کو دیکھتے ہیں، با ایں ہمہ آپ یقین کرتے ہیں کہ آپ کا دوست ہی آپ کے سامنے آیا۔

پھر کائنات کا یہ سارا نظام خالق کائنات کی تخلیقی کارفرمائیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے، جب وہ آپ کے سامنے ہے تو یہ کہنا کہ کائنات کا خالق ہمارے سامنے چونکہ نہیں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے کسی دیکھی ہوئی کسی چیز کو اپنے سامنے رکھ لیا جاتا ہے، بتایا جائے کہ آخر اس کا مطلب ہی کیا ہوا؟

اور مان بھی لیا جائے کہ آثار کو ناکافی قرار دے کر خالق کائنات کی ذات ہی کے دھیان وگیان کا ذریعہ ان مورتیوں اور بتوں کو ٹھہرایا جائے، تو پتھروں یا لکڑیوں سے تراشی ہوئی مورتیوں اور بتوں کو خدا کی ذات تک منتقل ہونے کا ذریعہ آخر کس بنیاد پر ان مورتیوں اور بتوں کو سمجھا جاتا ہے کیا ان کی شکل وصورت سے خالق کی ذات کی طرف ذہن کے منتقل کرنے کا کام لیا جاتا ہے، تو سوال یہی ہے کہ خدا کیا کوئی صورت رکھتا ہے پھر اس کی صورت کسی مرد یا عورت یا جانور کی صورت ہوتی ہے کیونکہ ان مورتیوں اور بتوں میں کھودنے والے اسی قسم کی شباہتیں تو کھود کھود کر قایم کیا کرتے ہیں اور اپنی صورتوں کے لحاظ سے یہ مورتیاں خدا کی نمائندگی اگر نہیں کرتیں، بلکہ ان کو رکھنے والے اپنے سامنے یہ سوچ کر رکھ لیتے ہیں کہ خدا کی یہ مخلوق ہیں، تو اس نقطۂ نظر سے کسی خاص مورتی یا مخصوص بت کو سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مخلوق ہونے کے لحاظ سے سوچیے تو سارا عالم ہی خدا کی مخلوق ہے عرض ہی کر چکا ہوں کہ اپنے تخلیقی آثار کے ساتھ تو خدا ایک لمحہ کے لئے ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا، امام للموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی لئے تو فرمایا تھا کہ

انی لا احب الآفلین — میں اوجھل ہونے والے معبود کو نہیں چاہتا

آخر ہمارے سامنے کچھ نہ ہو اپنی ذات اور ذات کا شعور تو بہر حال ہمارے ساتھ تو باقی ہی رہتا ہے۔ ایک ایک عضو کٹ کٹ کر آدمی سے الگ ہو جائے، لیکن ذات اور ذات کا شعور اس حال میں بھی ہم سے الگ نہیں ہوتا یہ الگ بات ہے کہ کسی وجہ سے شعور ہی کا چراغ بجھ جاتے لیکن جب تک یہ چراغ جل رہا ہے اس وقت تک خدا کے اس تخلیقی اثر یعنی اپنی ذات کے شعور کو بہر حال اپنے اندر ہم پاتے رہیں گے، بس خالق کے تخلیقی آثار ہی سے خالق کو اپنے سامنے اگر لانا ہے، تو اس کے لئے پتھروں، اور لکڑیوں میں کھودی ہوئی مورتیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کی سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے سچ تو یہ ہے کہ ان مورتیوں کو دیکھ کر بجائے خالق کائنات کے آدمی کا ذہن اگر ان سنگ تراشوں ہی میں الجھ کر رہ جائے، جو ان مورتیوں اور بتوں کو گھڑتے ہیں تو اسی کی توقع بھی طبعاً کرنی چاہئے، بلکہ بنانے والے اگر ان پر اپنے صنفی عمل کو نمایاں نہ کرتے اور بن گھڑی سپاٹ شکلوں ہی میں پتھروں اور لکڑیوں کو رہنے دیتے، تو خالق کی طرف ذہن کے منتقل ہونے میں شاید زیادہ آسانی ہوتی، مگر اس ذہنی انتقال کے لئے کسی خاص پتھر یا لکڑی کے کسی خاص ٹکڑے کی کیا خصوصیت ہے۔ جیسے بعض قدرتی مظاہر مثلاً سورج، چاند یا خاص خاص نباتی یا حیوانی مخلوقات کو پوجنے والے آخر کیا عذر پیش کر سکتے ہیں خالق ہی کے شعور کو اس کے ان تخلیقی آثار کی راہ سے بیدار کرنا اگر منظور ہے تو ایک سانڈ اور ایک چیونٹی میں کیا فرق ہے حق تو یہ ہے کہ کاریگری کی جن نزاکتوں کا تماشا چیونٹی میں کیا جاتا ہے اور اس کے وجود کی مختصر تقطیع میں جن کمالات اور محاسن کی نمائش قدرت کی طرف سے کی گئی ہے احساس پر جو اثر ان کے دیکھنے سے مرتب ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے ہاتھی اور سانڈ، اونٹ اور گھوڑے شاید اس اثر کو نہیں پیدا کر سکتے،

الغرض جس طرح بھی دیکھا جاتے بت پرستی کی طرف سے یہ پرانی اپالوجی (معذرت) کسی حیثیت سے تسکین و تشفی کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ جو واقعہ ہے اس پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام و نامراد کوشش ہے۔ بنانے والے باتیں بنا کر دوسروں کو صرف چپ کر دینا چاہتے ہیں ورنہ حقیقت کی جو واقعی صورت ہے، وہ یہی ہے ان بت پرستوں کی عام ذہنیت تو وہی ہوتی ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے المسعودی ہی نے لکھا ہے کہ

الجاهل منهم ومن لا علم له يشرك الاصنام بالهية الخالق ص۱۹۱	ان بت پرستوں میں جو جاہل اور ناواقف ہیں، وہ تو ان مورتیوں ہی کو معبودیت اور الٰہیت میں خالق کائنات کا ساجھی اور شریک سمجھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی پتھر اور لکڑی میں کھودی ہوئی صورتوں جنہیں مورتیاں اور بت کہتے ہیں، براہ راست ان ہی کو خدائی کاروبار میں شریک سمجھ کر ان سے نفع اٹھانے یا ان کے ضرر سے بچنے کے لئے ان کو پوجتے ہیں، قرآن میں بھی جہاں کہیں ان ہی اصنام اور بتوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ نہ وہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں، نہ چل سکتے ہیں، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر تو اس سے اشارہ اسی طرف کیا گیا ہے کہ بڑا طبقہ عوام کا بت پرستوں میں یہی سمجھتا ہے کہ ان ہی گھڑے ہوئے پتھروں یا لکڑیوں میں یہ سارے کمالات پوشیدہ ہیں، جن میں بینائی نہیں ہوتی، ان میں بینائی، جن میں شنوائی نہیں ہوتی۔ ان میں فرض کر لیتے ہیں کہ بینائی بھی ہے اور شنوائی بھی، اور کیسی بینائی و شنوائی جس کے سامنے پوجنے والے کی بینائی اور شنوائی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جو کچھ کر نہیں سکتا، مان لیا جاتا ہے کہ پتھر کا وہی ٹکڑا سب کچھ کر سکتا ہے، یہ اعتقادی نفسیات تو عوام کی ہوتی ہے باقی بت پرستوں میں خواص طبقہ جو ہوتا ہے یعنی فکر و نظر سے کام لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پتھر میں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کچھ نہیں ہے، اسی میں کیسے مان لیں کہ سب ہی کچھ ہے، اسی لئے وہ ذرا زیادہ بلند پروازی سے کام لیتے ہیں یعنی عوام بے چارے تو پتھر اور لکڑی کے ان ہی گڑھے ہوئے ٹکڑوں ہی میں دید و شنید اور دوسری قوتیں فرض کر لیا کرتے ہیں مگر خواص بجائے ان کے یہ مانتے ہیں کہ ان تراشیدہ پتھروں کے پیچھے ان دیکھی روحیں دبکی ہوئی ہیں ان ہی نادیدہ ان دیکھی روحانی ہستیوں کی نمائندگی کا کام ان اصنام اور مورتیوں سے لیا جاتا ہے اور خواہ اقرار کیا جاتے یا نہ کیا جائے، مگر واقعہ یہی ہے کہ ان مفروضہ ان دیکھی روحوں کو ان کے پوجنے والے یہ نہیں مانتے کہ وہی عالم کے خالق و آفریدگار ہیں۔

بلکہ یہی مانا جاتا ہے، کہ یہ سارے اصنام اور مورتیاں کسی مخلوق ہی کی روح کی نمائندگی کرتی ہیں مثلاً اگلے زمانہ کے کسی سربرآوردہ آدمی کی روح سے سمجھا جاتا ہے کہ فلاں شکل و صورت کی مورتی کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے اسی طرح مظاہر قدرت میں سے جن چیزوں کا انتخاب مختلف زمانوں اور ملکوں یا قوموں میں معبود بنانے کے لئے ہوتا رہا ہے، خود ان کو تو مخلوق سمجھا ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ بت پرستوں کے خواص کا طبقہ ان کے پیچھے کسی قسم کے ملکوتی یا روحانی وجود کو بھی پوشیدہ سمجھتا ہے اور ان کی پوجا پاٹ کے وقت بجائے بتوں کے دیدہ اجسام کے ذہن کو اسی پوشیدہ، ملکوتی یا روحانی وجود کی طرف منتقل کرتا ہے ان ہی کا دھیان جماتا ہے، مثلاً سورج کے آتشیں کرے کے ساتھ سمجھا جاتا ہے کہ سورج دیوتا کی روح بھی وابستہ ہے، یا جو دریا پوجے جاتے ہیں، مانا جاتا ہے کہ ان کا تعلق کسی مذکر یا مونث ان دیکھے روحانی وجود سے ہے مگر یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے بے دیکھے بے جانے صرف فرض کرنے کی قوت ہی کا کرشمہ ہوتا ہے، کیونکہ ان روحانی اور ملکوتی ہستیوں کا تسلیم کرنا، بغیر مشاہدہ کے ایک فرضی سی بات ہوتی ہے، پھر یہ باور کر لینا کہ پتھر کے کسی خاص ٹکڑے میں خاص قسم کی نوک پلک شکل و صورت کو گھڑ دینے کے ساتھ ہی ان مفروضہ روحانی و ملکوتی ہستیوں میں سے فلاں ہستی کا ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ مورتی کے سامنے کھڑا ہونا گویا اسی روحانی وجود کے سامنے کھڑا ہونا ہے جس کی نمائندگی مان لیا گیا ہے کہ یہ مورتی کرتی ہے بہر حال کہنے کی حد تک تو یہ طبقہ خواص کا طبقہ کہلاتا ہے لیکن ان کے وہمی اور فرضی تخلیقات سچ پوچھئے، تو بت پرستوں کے عوام سے بھی کہیں زیادہ بڑھے ہوتے ہیں، عامی غریب کا قصہ تو صرف ایک فرض پر ختم ہو جاتا ہے، یعنی فرض کر لیتا ہے کہ نہ دیکھنے والی مورتی اسے دیکھ رہی ہے اور نہ سننے والا بت اس کی باتیں سن رہا ہے اس سے زیادہ اپنے مفروضات کے سلسلے کو آگے بڑھانے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن خواص کے طبقہ کو تو ایک فرض کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرے فرض کے ذہنی عمل پر مجبور ہونا پڑتا ہے یعنی جن روحانی اور ملکوتی ہستیوں کا مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے پہلے ان ہی کے وجود کو فرض کر لیا جاتا ہے۔ پھر فرض کیا جاتا ہے کہ ان میں ہر ایک خاص خاص قسم کی فعلی و انفعالی قوتیں اپنے اندر رکھتے ہیں، ان دو مفروضات صرف مفروضات کے بعد تیسرا مفروضہ یہ ہوتا ہے کہ پتھر یا لکڑی میں فلاں نوعیت کی شکل و صورت جب منقوش ہو جاتی ہے تو ان روحانی و ملکوتی ہستیوں میں سے فلاں دیوتا کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، الغرض عوام کا کام تو ایک ہی مفروضہ سے چل جاتا ہے لیکن خواص کو عوام کی جماعت میں امتیاز حاصل کرنے کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض کر لینے کے اس عمل کی مختلف منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

جو واقعی بت پرستی کرنے میں ان ہی سے پوچھا جا سکتا ہے کہ جو کچھ عرض کیا گیا، کیا اصل حقیقت اور واقعہ کی صحیح تعبیر یہی نہیں ہے؟ یہ دعویٰ کہ خالق کی نمائندہ قرار دے کر بتوں کی پرستش لوگ کرتے ہیں، ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا واقعہ سے قطعاً کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے قوموں کے علم الاصنام کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، وہی جانتے ہیں، کہ خالقِ کائنات کی نمائندگی کا کام کسی زمانہ میں کسی مورتی یا صنم یعنی بت سے کبھی نہیں لیا گیا ہے، بجائے خود یہ بھی ایک مفروضہ ہی ہے آخر دنیا سے بت پرستی کا ابھی انقراض نہیں ہوا ہے، پوچھا جا سکتا ہے کہ پوجے جانے والوں میں کیا کوئی ایسا بت، یا ایسی مورتی بھی ہے جو بجائے مخلوقات کے براہِ راست خالق کی نمائندگی کے لئے بنائی گئی ہو۔؟ جہاں تک فقیر کی تلاش و جستجو کا تعلق ہے اس وقت تک کسی ایسے بت یا مورتی کی نشان دہی نہ ان ہی لوگوں کی جو بت پرستی کرتے ہیں اور نہ کتابوں ہی میں اب تک کسی ایسے بت کا مجھے پتہ چلا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ کائنات کے خالق و مالک پروردگار کی عبادت میں بھی بعضوں کو (العیاذ باللہ) اسی قسم کا فرض کا رنگ نظر آتا ہے حالانکہ آپ دیکھ چکے کہ اپنے تخلیقی آثار کے لحاظ سے نہ کبھی وہ کسی سے اوجھل ہوا ہے، اور جب تک اس کی تخلیقی کارفرمائیوں کا یہ سلسلہ جاری ہے وہ اوجھل ہوگا، ذات اس کی ضرور نادیدہ ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ خدا کا وجود بھی غیبی ہے لیکن عرض کر چکا ہوں کہ ذات کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مشاہدات و محسوسات کا بڑا ذخیرہ غیب ہی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ مشاہدہ کا تعلق تو عموماً شی کے آثار ہی سے ہوتا ہے، لیکن بت پرستی کے مفروضات کی نوعیت یہ نہیں ہے، کیونکہ نہ ذات ہی ان مفروضات کے سامنے ہوتی ہے نہ ان کے آثار ہی کو ہم دیکھ رہے ہیں، بتوں کے پوجنے والے بھی یہی مانتے ہیں کہ سارے کائناتی آثار ایک ہی وجود کے تخلیقی مظاہر ہیں۔ پھر بت پرستی کے مفروضات کو پالنے والے آپ خود سوچیئے ان کے کن آثار کا سہارا لے کر ان کو پا سکتے ہیں؟ بجز اس کے کہ جہاں جس کا جی چاہے کچھ فرض کر لے، کچھ مان لے، اس کے سوا وہ بے چارے اور کر ہی کیا سکتے ہیں، بات طویل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کافی طویل ہوگئی لیکن طوالت کے خوف سے حقائق و واقعات کو کیسے دبایا جائے۔ غلط فہمیوں کی گتھیوں میں عزیب آدمی کی سمجھ الجھادی گئی ہے، گرہوں پر گرہیں پڑی ہوئی ہیں، احتیاط سے ان کو اگر نہ کھولا جائے اور جو کچھ لوگ پہلے سے کہتے چلے آتے ہیں ان ہی کے دہرانے پر قناعت کی جائے تو اس سے بہتر میرے نزدیک یہی ہے کہ کچھ نہ کہا جائے کچھ نہ لکھا جائے۔ مجھے جو کہنا تھا، اپنی علمی ذمہ داریوں کے ساتھ اسے پیش کردیا گیا۔ آئندہ سوچنے والوں کے لئے ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ روشن راہ سامنے آئے۔

بہرحال روحانیت کے مقابلے میں بنی آدم کی عملی زندگی کا ایسا نظام جس میں خالق سے بے پروا ہوکر مخلوق شاہی لوگ جھک پڑتے ہیں، اپنی خاص اصطلاح میں جس مسلک کی تعبیر

"عملی مادیت"

سے میں نے کی ہے، بت پرستی بھی میرے نزدیک اسی عملی مادیت کی ایک مغالطہ آمیز یا سنانی اور پارینہ تشکل ہے۔ مغالطہ آمیزی سے میرا مطلب یہ ہے کہ بظاہر عملی زندگی کے اس نظام میں دعا و عبادت وغیرہ دینی عناصر جو پائے جاتے ہیں، ان ہی کو دیکھ کر سمجھ لیا جاتا ہے، کہ یہ بھی دینی زندگی ہی کی ایک خاص تشکل ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ بھی ایک قسم کی عملی مادیت ہی کا ایک خاص قالب ہے۔ اسی لئے بت پرستی کا زور عموماً قوموں میں اسی زمانہ میں ہوتا ہے جب دنیا طلبی کے نشہ میں وہ سرشار ہوتی ہیں، ٹھیک جو آج حال یورپ و امریکہ کا ہے اسی قسم کا دورہ اگلی قوموں پر بھی جب پڑتا رہا تو خالق سے تعلق کو کمزور کرتے ہوئے مخلوقات ہی میں وہ ڈوب جاتی تھیں، فرق صرف وہی ہے کہ یورپ و امریکہ کی عملی مادیت کی موجودہ زندگی میں مخلوقات سے صرف عقلی رشتہ ہی کے قائم کرنے پر لوگ اب تک ٹھہرے ہوئے ہیں اور پچھلے زمانہ میں عقلی رشتہ کے ساتھ ساتھ مفید و مضر مخلوقات کے ساتھ دعائی و عبادتی رشتہ بھی قائم کرلیا جاتا تھا۔ اشور و بابل، مصر و سوریا (شام)، روم و ایران وغیرہ کی تاریخ کی شہادت یہی ہے تمدن و عمران کے مین طوفانی ایام میں بت پرستی بھی عروج کی آخری منزل تک پہنچی ہوئی تھی، لیکن ان کی بت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرستی طبقۂ خواص کی بت پرستی تھی اسی لئے حد سے زیادہ پیچیدہ فلسفہ کی شکل اس نے ان قوموں میں اختیار کر لی تھی ۔

اور دور کیوں جایئے ، دنیا کے عام مذاہب و ادیان جو اپنے تاریخی وثائق کھو چکے ، ان کے متعلق تو کہنے والے جو کچھ بھی چاہیں ، کہہ سکتے ہیں لیکن انسانی دین کا آخری قدرتی قالب "الاسلام" تو تاریخ کے روشن دنوں میں سب کے سامنے آیا ، اس کا ہر دور ماضی ہو یا حال ، تاریخی ایام ہی سے گذرتا ہوا بنی آدم کی موجودہ نسلوں تک پہنچا ہے ۔

اللہ اللہ کتنی خالص ، ہر قسم کی الجھنوں سے پاک و صاف ، شستہ و رفتہ ، دھلی دھلائی ستھری توحید سے مسلمانوں کی دینی امت کا آغاز ہوا تھا ، لیکن تمدن و عمران کی رنگینیوں میں غوطے کھاتے ہوئے کیا کیا بتایا جائے کہ جن سوراخوں سے دنیا کی گذشتہ مذہبی قومیں داخل ہو چکی تھیں ان میں مسلمان نہ گھسے سچ تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منجھا ہوا توحیدی عقیدہ بھی مشرکانہ اوہام کی آلودگیوں سے محفوظ نہ رہ سکا ۔ وہی مشرکانہ آلودگیاں جن کو دیکھ دیکھ کر غریب مولوی پہلے بھی جھنجھلاتے رہے اور آج تک اس سلسلہ میں ان کی کڑکڑاہٹیں ختم نہیں ہوئی ہیں آخر تاریخ کی اس شہادت کو بھی آپ جھٹلا دیں گے ۔ اور یہی کہتے چلے جائیں گے ، کہ توحید کا عقیدہ مشرکانہ اوہام کے بعد پیدا ہوا ہے ؟ اور میں تو حیران ہوں ، یورپ کے ان ہی ارباب تحقیق و تنقید ریسرچ اور تلاش والوں کے حوالہ سے ہمیں یہ بھی تو سنایا جاتا ہے ، کہ کائنات کے خالق کی یکتائی اور وحدت کا عقیدہ انسانی فطرت کا ایک ایسا لازوال سرمدی احساس ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کسی زمانہ میں خالی نہیں رہی ہے ، مذاہب و ادیان کے مشہور مغربی مورخ پروفیسر میکس مولر کو تو اسی بنیاد پر اپنے اس مشہور تحقیقی فیصلہ کا اعلان کرنا پڑا کہ

"ہمارے باپ دادوں نے خدا کو اس وقت مانا اور جانا تھا"

"جب خدا کا صحیح نام بھی شاید وہ نہیں رکھ سکتے"

اور آج بھی دور دراز جنگلی علاقوں کی وحشی قوموں کے دینی احساسات کے جائزہ لینے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں کہیں بھی پہنچے ہیں خود ان ہی کا بیان ہے، کہ کسی نہ کسی شکل میں یہ عقیدہ یعنی کائنات اور اس میں جو کچھ ہے، بالآخر اس کی انتہا ایک ہی ذات واحد پر ہوتی ہے، ہر جگہ ہر قوم میں مشترک نظر آیا ایسی صورت میں خود سوچئے کہ ہمیشہ سے جس بات کو لوگ مانتے چلے آئے ہیں، اسی کے متعلق یہ یاد کرانے کا بھلا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ شرک میں مبتلا ہونے کے بعد اسی حقیقت کو لوگوں نے تسلیم کیا تھا۔

پس واقعہ وہی ہے، پہلے بھی اس کا ذکر کر چکا ہوں کہ کائنات کے خالق و آفریدگار کی وحدت و یکتائی کا انکار صحیح معنوں میں پہلے بھی کبھی نہیں کیا گیا اور آج بھی اکثریت و عمومیت سے یہی اطلاع مل رہی ہے کہ اس حقیقت کے یقین کا چراغ ان کے سینوں میں نہیں بجھا ہے لیکن باوجود اس کے پہلے بھی یہی ہوتا رہا اور آج بھی جو کچھ دیکھا جا رہا ہے، کہنے والے اسے دیکھ دیکھ کر خواہ کچھ ہی کہتے ہوں مگر واقعہ یہی ہے کہ خالق جس کا سب کچھ ہے اور سب کچھ اسی کا نہ ہو تو سب کا خالق ہی وہ کیسے مانا جا سکتا ہے بہرحال وہی خالق جس کا سب کچھ ہے، تاریخ کے مختلف دوروں میں اچانک اسی کے متعلق باور کرنے والے کچھ ایسی باتیں باور کرنے لگے جن کا مآل یہی تھا کہ گویا اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اور جو کچھ بھی ہے وہ ان ہی مخلوقات کے اختیار میں ہے جن کے پاس خالق کی بخشی ہوئی بھیک کے سوا نہ کچھ ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اسی احساس، بے بنیاد، قطعاً بے بنیاد، بے سر و پا احساس کا نتیجہ پہلے بھی یہی ہوا اور آج بھی یہی ہے، کہ بنانے والوں نے

نہ عیسائیوں اور قدیم ہند کی ثالوثیت یعنی ایک تین ہے اور تین ایک ہے جس کی تعبیر ہندوستان میں تو برہما، وشنو، شیو وغیرہ کے الفاظ سے کی گئی تھی اور باپ بیٹا روح القدس صلیبی ثالوثیت کی تعبیر بھی، اسی طرح ایران کی ثنویت یعنی ایک دو ہے دو ایک ہے۔ یزدان و اہرمن یا نور و ظلمت لفظی گورکھ دھندوں سے جو عقیدہ ذہن نشین کیا جاتا تھا ظاہر کہ یہ سب کچھ بھی ہوا، فالتو عقل کے ایام بے شغلی کا ایک لاحاصل مشغلہ کے سوا ان کی نہ کوئی قدر ہے نہ قیمت اور بات بالآخر وہی ثابت ہوئی کہ ایک ہی سرچشمہ سے سب کچھ نکلا ہے اسی سیدھی سادی بات کو الجھا کر بیان کرنے والوں نے الجھا دیا ان لایعنی موشگافیوں سے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں لوگ مبتلا ہوتے ۱۲

مثلاً خالق قیوم اور فنا کرنے والے خالق کے ان تین صفات کو جیسا کہ کہا جاتا ہے ہندوستان میں برہما، وشنو، شیو کے الفاظ سے نبھایا جاتا تھا لیکن سمجھنے والوں نے کیا سمجھا اب سے میں کیا بتاؤں عیاں را چہ بیاں یہی حال صلیبی ثالوثیت کا ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی ساری آرزوؤں اور تمناؤں کی آماجگاہ، ان ہی مخلوقاتی مظاہر کو بنالیا جن کے ذریعہ سے خالق لوگوں کو نفع بھی پہنچا رہا ہے، اور ان ہی کی راہ سے ان حوادث کی لہریں بھی اٹھتی رہتی ہیں جن سے آدمی اذیت اور تکلیف محسوس کرتا ہے، الغرض خالق کی کارفرمائیوں میں قدرت کے جن مظاہر کی حیثیت صرف وسائل اور ذرائع کی ہے، خالق سے بے گانہ ہوکر لوگ ان ہی پر ٹوٹ پڑے یقین کیجئے کہ شرک کی قدیم فرسودہ و پارینہ ذہنیت، جس کا دور دورہ، اصنامی نظام کے عہد میں تھا، اس میں تو خیر جیسا کہ کہہ چکا ہوں۔ یہی ہوتا تھا، لیکن مادیت کا جو طوفان آج یورپ وامریکہ سے سینہ تانے ہوئے انسانی بستیوں پر چھاتا چلا جا رہا ہے سمجھنے والے خواہ اسے کچھ بھی سمجھتے ہوں، اور جن دھوکوں میں خود بھی الجھے ہوئے ہوں، یا دوسروں کو الجھانا چاہتے ہوں، مگر ٹھنڈے دل اور کھلے دماغ سے وہ اگر سوچیں گے، تو پائیں گے، کہ عملاً اس جدید مادی ذہنیت کے زیر اثر بھی وہی کچھ کیا جا رہا ہے جو کچھ پہلے کیا جا چکا ہے، قالب بدلے ہوئے ضرور ہیں لیکن روح قدیم مخلوق پرستی اور جدید مادہ پرستی کی ایک اور صرف ایک ہی ہے ہمارے ملک کے مشہور بوڑھے مفکر اور مدبر راجہ گوپال اچاریہ کی زبان سے کچھ دن ہوئے بے ساختہ یہ فقرہ جو نکل پڑا تھا کہ

"اس زمانہ کا خدا تو آٹم بم ہے"

سچ پوچھئے، تو اسی "مشترک روح" کی طرف یہ اسی قسم کا ایک تاریخی اشارہ ہے، جیسے ان سے کچھ دن پہلے، ہمارے قومی شاعر لسان العصر اکبر مرحوم نے بھی اپنے مخصوص مزاحی انداز میں یہ پیش کی تھی۔

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو   بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

"آٹم بم خدا ہے" یا برق اور بھاپ کو یورپ والوں نے خدا سمجھ رکھا ہے، ظاہر ہے کہ اس خدائی کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ کائنات کا خالق اور سرچشمہ قدرتی قوانین کے ان مظاہر کو مان لیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ مطلب وہی ہے کہ دنیا کی قدیم فرسودہ مشرک قوموں میں جیسے یہ فرض کرلیا جاتا تھا کہ پیدا ہونے یعنی نیست سے ہست ہونے کے بعد نظم کائنات کا تعمیری ہو یا تخریبی اقتدار ان ہی مخلوقات کی طرف منتقل ہوگیا ہے جن کی اہمیت کا احساس زندگی کی ضرورتوں میں وقتاً فوقتاً خاص اسباب و وجوہ کے تحت ان میں شدت پذیر ہوتا رہتا تھا دیکھا جاتا تھا کہ گانے والے ان میں کبھی سورج دیوتا کا بھجن گا رہے ہیں۔ اور اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ناچ رہے ہیں، تھرک رہے ہیں۔ کبھی کتھا بچار نے والے چندرما کی کتھا سنا کر دلوں میں اسی کی عظمت و جلال کا سکہ جمار ہے ہیں۔ کبھی اگنی کی اشتست کے نشہ میں لوگ سرشار ہیں۔ سمجھا جا رہا ہے کہ سب کچھ وہی ہے، یوں ہی مرکزیت کا یہ مقام مختلف مخلوقات کو حاصل ہوتا رہتا تھا، ان قوموں کو مشرک کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ ہی یہ تھی کہ اس طریقہ سے مخلوقات کو بھی عالم کے کاروبار میں خالق کا ساجھی اور شریک فرض کرکے وہی رشتہ ان مخلوقات کے ساتھ قایم کرلیتے تھے جس کا قدرتی استحقاق کائنات کے خالق اور پیدا کرنے والے کے سوا یعنی وہی جس کا سب کچھ ہے۔ اس کے سوا نہ کسی کو ہے اور نہ کسی کو کبھی ہوسکتا ہے اور یہ حال ان پرانی قوموں کی اس پارینہ و کہنہ مشرکانہ ذہنیت کا تھا۔ قریب قریب یہی رنگ، عصرِ حاضر کی جدید مادی تہذیب کے زیرِ اثر زندگی گذارنے والوں کی ذہنیت میں بھی نظر آتی ہے یعنی قدرتی قوانین کے ایسے مظاہر جن کے بعض پوشیدہ اسرار اور مخفی نوامیس سے اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً پردہ ہٹتا چلا جا رہا ہے، اور تعمیری مقاصد ہوں یا تخریبی ہوسناکیاں، دونوں ہی کی تکمیل میں ان سے امداد مل رہی ہے ان ہی سے افادہ و استفادہ کی راہوں میں ماننے والے یہ ماننے لگے ہیں کہ خالق کائنات کو درمیان میں آنے یا بلانے کی ضرورت نہیں سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن مان بھی کرلیا گیا ہے کہ جن مخلوقات میں اپنا کچھ نہیں ہوتا براہ راست ان ہی سے رشتہ قایم کرکے سب کچھ

۱؎ قدیم علم الاصنام کے مطالعہ سے عجیب دل حسپ آگاہیاں حاصل ہوتی ہیں۔ سورج دیوتا سے عموماً پرانی مشرک قوموں میں غیر معمولی برتری حاصل رہی ہے لیکن بابل کے بت پرستوں میں با در کرانے والوں نے یہ باور کرا رکھا تھا جیسا کہ کلمیکی صاحب نے لکھا ہے کہ چاند کے مقابلہ میں سورج کا درجہ گرا ہوا ہے چاند کو بابل والے ہمیشہ نر دیوتا سمجھتے تھے اور سورج دیوی یعنی مادہ ٹھہرایا جاتا تھا کبھی سورج کو چاند کا بیٹا بھی کہتے تھے ص ۵۲ مینول ہسٹری آف بیبل سرجمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کیا جا سکتا ہے، شعوری یا غیر شعوری طور پر اسے خود آفریدہ احساس کہیئے یا وہم، اسی کا نتیجہ ہے کہ خالق کی طرف سے موجودہ مادی تہذیب میں بے اعتنائیاں حد سے گذری چلی جا رہی ہیں، اس راہ میں ان کی لاپروائیاں ناقابل برداشت بن چکی ہیں نتیجہ یہ ہے کہ خالق کی طرف سے یورپ کی جدید مادی تہذیب میں اعتقاداً نہ سہی مگر عملاً اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ خالق کے انکار کا شبہ اس پر بے جا نہیں قرار دیا جا سکتا اور ٹھیک جیسے قدیم مشرک قوموں کے التفات و توجہ کے مرکز ان ہی مخلوقات کے سلسلہ میں بدلتے رہتے تھے، جن سے وقتاً فوقتاً وہ وابستہ ہوتی رہتی تھیں کچھ اسی رنگ میں مادیت کی تہذیب جدید میں بھی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کے محور بھی دیکھا جا رہا ہے کہ بدلتے سدلتے رہتے ہیں قدرتی قوانین کا ہر نیا راز جس کی روشنی میں تعمیر یا تخریب کی نئی قوت سامنے آتی ہے وہی لوگوں کو اپنے اوپر سمیٹ لیتی ہے اور اکٹھے ہونے والے اسی کے ارد گرد دھونی رما کر بیٹھ جاتے ہیں پھر جن انکشافات کا ڈھنڈورا اس سے پہلے پیٹا جاتا تھا، آسمان اور زمین کو ان کے چرچوں سے بھر دیا گیا تھا، کثرت استعمال و مشاہدہ ان کو عام برتی جانے والی پیش پا افتادہ چیزوں کے انبار میں شریک کرتا چلا جاتا ہے اکبر مرحوم کے زمانہ میں برق اور بھاپ کو ہر دل عزیزی کا یہ مقام حاصل تھا، اور یہی اہمیت آج "ایٹم بم" اور ایٹم کی ان توانائیوں کو دی جا رہی ہے، جن کے ساتھ امید و بیم رغبت و رہبت کا وہی رشتہ قائم کر لیا گیا ہے، جس کا حق دار ایٹمی توانائیوں، اور ان کے سوا جو کچھ ہے، سب ہی کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور یہی مطلب ان چیزوں کے خدا بنا لینے کا ہے اس میں شک نہیں کہ یورپ و امریکہ کی جدید مادی تہذیب کے ان ہی رجحانات کو دیکھ کر بعضوں نے کہہ دیا کہ یہ ایک خدا بیزار تہذیب ہے، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یورپ و امریکہ کے عام باشندے کلیتہً خدا کے منکر ہو چکے ہیں، بلکہ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اس قسم کی مشرکانہ ذہنیت کے شکار ہیں، جس کا شکار ہونے والا بے سروپا ایسے پریشان خواب دیکھنے لگتا ہے کہ سب کچھ جس کا پیدا کیا ہوا ہے عملاً وہی کچھ نہیں ہے اور جن مخلوقات میں خود اپنا کچھ نہیں ہوتا، وہی سب کچھ بنا ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال بجز چند استثنائی گنی چنی ہستیوں کے جن کی تھوڑی بہت تعداد تقریباً ہر ملک اور ہر زمانہ میں کسی نہ کسی رنگ میں پائی گئی ہے، یورپ و امریکہ کے عام باشندوں کی موجودہ مادی ذہنیت میرے نزدیک قدیم مشرکانہ ذہنیت ہی کا ایک نیا بھیس ہے گویا شرک کا وہی پرانا آسیب ہے جو طریقہ بدل کر پھر آدم کی اولاد پر سوار ہوگیا ہے۔ اور ہوتا چلا جارہا ہے۔

شرک کا پرانا بھوت جس نے تاریخ کے گذرے ہوئے دنوں میں انسانی آبادیوں کے اندر اندھم مچا رکھی تھی اس کے ذکر سے تو خیر قرآن بھرا ہی ہوا ہے، لیکن بعض اشارے قرآن ہی میں ایسے بھی کئے گئے ہیں جن سے شرک کے اس جدید اطلاق کی تصحیح ہوتی ہے[1]؎

---

[1] سورۃ کہف میں دو[2] باغوں والے اور اس کے صاحب کا تمثیلی قصہ جو بیان کیا گیا ہے، اس قصہ کو غور سے پڑھئے باغ والا اسی مالی خولیا میں مبتلا تھا کہ قدرتی توانین کو اپنے قابو میں لاکر اپنے باغوں اور کھیتوں میں جو غیر معمولی استحکام میں نے پیدا کردیا ہے اس نظم کو کوئی طاقت اب پراگندہ نہیں کرسکتی مگر جب اس کا سارا نظم و اہتمام اور سارا کیا کرایا برباد ہوکر رہ گیا تو پچھتاتے ہوئے قرآن میں ہے منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی کہتا تھا کہ کاش! اپنے رب کے ساتھ کسی میں شریک اور ساجھی نہ بناتا۔ غور طلب مسئلہ یہی ہے کہ قدیم مشرکانہ ذہنیت کے زیر اثر جو کچھ کیا جاتا تھا اس کا ذکر اس قصہ میں کہیں نہیں کیا گیا ہے لیکن یورپ کی جدید مادی ذہنیت کے سارے خصوصیات اس کے ایک ایک لفظ سے جھلک رہے ہیں اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس قصہ میں "شرک" کے لفظ سے اشارہ اسی ذہنیت کی طرف کیا گیا ہے، سورۃ کہف کی تذکیری تفسیر میں اس مسئلہ کی تفصیل کی گئی ہے جو افسوس ہے کتابی شکل میں پریس سے اس وقت تک باہر نہیں آسکی اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کتاب کب شائع ہوگی ۱۲

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں آسان اور دل نشین انداز میں سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے دور حاضر کی مختلف سیرت نبوی کی کتابوں میں جامعیت کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

قیمت مجلد سے ؍ بلا جلد ؎ ؍

© rasailojaraid.com